

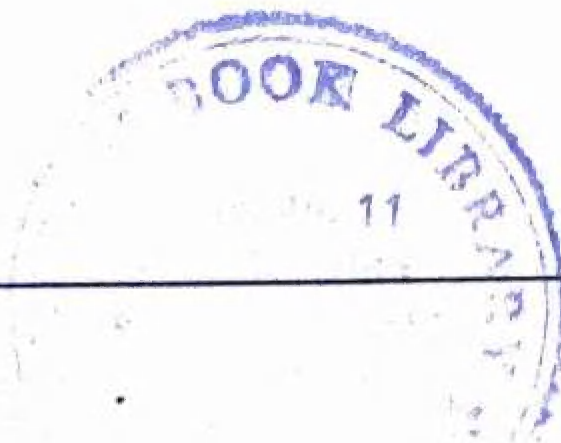
امامِ مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

آیت اللہ علامہ شہید سید محمد باقر صدر رح

آیت اللہ شہید سید محمد باقر صدرؒ کی بیسویں سالگرہ منعقد کرنیوالی عالمی کانگرس



بسم الله الرحمن الرحيم



امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

تألیف

آیت اللہ علامہ شہید سید محمد باقر صدر رح

آیت اللہ شہید سید محمد باقر صدرؒ کی بیسویں سالگرہ منعقد کرنیوالی عالمی کانگریس

صدر، محمد باقر، ۱۹۳۱ ـ ۱۹۷۹. Sadr, Muhammad Baqir

امام مهدی عجل الله تعالی فرجه الشریف / تالیف محمد باقر صدر؛ [ترجمه احمد نثار زینپوری]. ـ قم: کنگره بین المللی آیه الله العظمی شهید صدر (قدس سره)، ۱۴۲۱ق. = ۱۳۷۹.

۷۲ص. ISBN 964 - 5860 - 17 - 2

فهرستنویسی براساس اطلاعات فیپا.

عنوان اصلی: بحث حول المهدی.

اردو.

کتابنامه: ص. ۷۰ ـ ۷۲.

۱. مهدویت. ۲. محمد بن حسن(عج)، امام دوازدهم، ۲۵۵ق. ـ الف. کنگره بین المللی آیت الله العظمی شهید صدر (قدس سره). ب. زینپوری، احمد نثار. مترجم. ج. عنوان.

BP ۲۲۴/۴ ص ۳۰۴۶ب ۲۹۷/۴۶۲

۱۳۷۹

کتابخانه ملی ایران ۲۰۵۱۸ـ۷۹م

کتاب کا نام :ـ امام مہدیؑ

مصنف :ـ آیت اللہ علامہ شہید سید محمد باقر صدرؒ

ناشر :ـ آیت اللہ شہید سید محمد باقر صدرؒ، عالمی کانگریس

خطاطی :ـ سید قلبی حسین رضوی

سال طبع :ـ سنہ ۱۴۲۱ھ

پریس :ـ شریعت

تعداد :ـ تین ہزار

Qom: P.O. Box 37185 - 314 Tel: 7732758- 7732849Fax: 7731151

URL: WWW.alsdar.com E-mail: info@alsadr.com

فہرست

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہ رَبِّ العالمینَ والصّلاۃُ والسّلامُ علیٰ مُحمّدٍ وآلہِ الطّاہرین

بیسویں صدی کا دوسرا دور تھا کہ جب گزشتہ چند صدیوں سے اسلامی امت پر سایہ افگن ظلم و استبداد کے کالے بادل رفتہ رفتہ چھٹنے لگے۔ مسلمان قوم، جو عرصۂ دراز سے جمود اور انحطاط کے اندھیرے میں گم تھی، اچانک اُسے روشنی کی نوید ملی۔ اور اسلامی وقار، جو عرصے سے مستکبروں اور ظالموں کے قدموں تلے روندا جارہا تھا، یک بیک اس کے پیکر میں تازہ روح دوڑ گئی۔ اسلام کو ملنے والی یہ نئی زندگی درحقیقت ایران کے عظیم ترین رہنما اور بانیٔ انقلاب حضرت امام خمینی قدس سرہ کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کا نتیجہ تھی۔ اس عظیم انقلاب کی کامیابی کے بعد نہ صرف اسلام دوبارہ زندہ ہوا بلکہ اس میں نئی توانائی اور نیا جوش و ولولہ پیدا ہوا، جس نے عالم کے مستکبروں اور استعماری طاقتوں کی نیندیں حرام کردیں اور اسلامی ملکوں سے وابستہ ان کے منافع کو زبردست نقصان پہنچایا۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلامی انقلاب سے ملنے والی اس نئی زندگی نے اگر اسلامی امت کو پوری دنیا میں ایک متحدہ معاشرے کا تصور عطا کیا ہے تو بلا شبہ یہی نقطۂ نظر عالم اسلام کے عظیم مفکر حضرت آیت اللہ علامہ شہید باقر صدرؒ کا بھی تھا۔ آیت اللہ علامہ شہید باقر صدرؒ جدید اسلامی تحریک کے عظیم علمبردار تھے۔ آپ نے اپنے ہمہ گیر جدید افکار پر مشتمل گہری تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ امت اسلام کو روشنی کی ایک نئی راہ دکھائی اور اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کیا۔ آپ کی اسلامی ثقافتی و علمی تحریک نے غیر اسلامی اور مغربی افکار و رجحانات کو، جو اسلامی معاشرے پر تیزی سے حاوی ہو رہے تھے، اور فرزندان اسلام کو گمراہ کر رہے تھے، پیچھے ڈھکیل دیا اور اسلامی مفکرین کیلئے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دیں۔

آیت اللہ علامہ شہید باقر صدرؒ اپنی بے نظیر لیاقت اور نئی اسلامی فکر کے ذریعہ متمدن دنیا کے جدید دانشوروں اور نام نہاد مفکروں کے آگے آہنی دیوار کی مانند ڈٹ گئے اور مادی تمدن کی اعتقادی اور فکری بنیادوں کو یکے بعد دیگرے منہدم کر کے آپ نے بے دین اور الحادی افکار کی ناتوانی کو ثابت کر دیا اور اس کی ظاہری جاذبیت کا پردہ چاک کر دیا۔ اس طرح آپ نے آنکھیں بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے مشرقی مفکروں کے سامنے آج کے انسانی معاشرے کی مشکلات کے حل کے سلسلے میں دینی نظریہ کی بے مثال تاثیر اور طاقت کو ثابت کر دیا اور یہ بتا دیا کہ نئی زندگی کی کشاکش میں صرف دین ہی انسان کی خیر و سعادت کا ضامن ہو سکتا ہے۔

آیت اللہ شہید باقر صدر کے مکتب فکر کی جدت کسی ایک خاص محور اور موضوع سے مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ آپ نے مختلف میدانوں میں، علی الخصوص عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے تحت اسلامی فکر کی نئی شمعیں روشن کی ہیں۔ اسلامی اقتصاد، اسلامی فلسفہ و منطق کے ساتھ ساتھ آپ نے دینی علوم کے

میدان میں بھی فکر و نظر کے نئے چراغ جلائے ہیں اور فقہ و اصول، فلسفہ و کلام اور تفسیر و تاریخ پر بھی اپنے جدید نظریات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ نتیجہ میں ان تمام علوم میں اس وقت ایک نیا انقلاب نظر آتا ہے اور یہ فکری انقلاب ہر علم کے ماہر و محقق کو نت نئے میدانوں کی راہ دکھاتا ہے۔

آیت اللہ علامہ شہید سید محمد باقر صدرؒ کی المناک شہادت کی دو دہائیاں گزرنے کے باوجود آج بھی علمی حلقے اور تحقیقاتی مراکز اس عظیم شہید کے علم و دانش سے استفادہ کر رہے ہیں اور ان کے علمی آثار اور جدید افکار کی ضرورت کا احساس بحث و تحقیق کے مختلف میدانوں میں کیا جارہا ہے۔

اس ضرورت و اہمیت کے پیش نظر شہید صدرؒ سے متعلق عالمی کانگریس نے یہ طے کیا کہ شہیدؒ کے شایان شان ان کی علمی اور ثقافتی میراث کو وسیع پیمانے پر زندہ کر کے دنیا کو ان قیمتی افکار سے روشناس کرایا جائے۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ کے آثار کا ایک بڑا حصہ طباعت اور اشاعت سے گزر چکا ہے، اس عالمی کانگریس کے سامنے دو اہم فریضے آتے ہیں:

۱۔ آیت اللہ علامہ شہید صدرؒ کے آثار کو دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں نہایت دقت اور امانتداری کے ساتھ ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔

۲۔ خود شہید کے دست مبارک کی تحریروں کو انتہائی تحقیق اور سعی و تلاش کے ساتھ فراہم کیا جائے تاکہ ان کی تالیفات کی پے در پے اشاعتوں کے نتیجے میں وجود میں آنیوالی غلطیوں کی دقیق اصلاح ہوسکے اور انھیں نئے سرے سے دقت نظر کے ساتھ شائع کیا جائے۔

شہید صدرؒ کی ایک اہم فکری تحریر، جسے آپؒ نے "بحث حول المہدیؑ" کے عنوان سے آیت اللہ سید محمد صدر کی تالیف "موسوعۃ الامام المہدیؑ" کے مقدمے کے طور پر لکھا تھا، موضوع

کی اہمیت کے پیش نظر آپ کی یہ تحریر مستقل کتابی شکل میں متعدد زبانوں میں کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ افادیت کے پیش نظر ہم بھی اس کا اردو ترجمہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

امید ہے کہ خداوند متعال اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَنُرِيدُ أَن نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴾

القصص : ٥

"اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور بنا دیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انھیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیں ۔"

مقدمۂ مؤلف

مستقبل کے اس غیبی دن کے منتظر غیب پر ایمان رکھنے والے ہی نہیں ہیں بلکہ یہ نظریہ دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے ۔ اس تصوّر نے تو ان لوگوں کو بھی متاثر کیا ہے جو کہ غیر محسوس چیزوں اور غیب کے وجود کے منکر ہیں ۔ جیسے مادی جدلیت DIALECTICAL MATERIALISM کہ تاریخ کی شرح تناقضات کی اساس پر ہوتی ہے ، یوم موعود پر اس کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب سارے تناقضات ختم ہو جائیں گے اور دنیا میں صلح و سلامتی کا دور ہوگا ۔ اسی طرح ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس تصوّر و احساس کا تجربہ ان تمام تجربات سے کہیں زیادہ وسیع اور عام ہے جو کہ انسان نے گزشتہ زمانہ میں کئے ہیں ۔

جب مذہب اس عام تصوّر و احساس کی تائید کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ آخر کار دنیا ایک دن اسی طرح عدل و انصاف سے پر ہو جائے گی جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی تو دین اس احساس کو اس کی قیمت عطا کرتا ہے اور مستقبل میں انسانیت کے سفر کیلئے اسے عقیدہ میں بدل دیتا ہے ۔ یہ عقیدہ صرف دل بہلانے کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ عطا و طاقت کا سرچشمہ ہے ۔ یہ عقیدہ طاقت و قوت کا سرچشمہ اس لئے ہے کہ انتظار امام مہدیؑ کے عقیدہ کے معنی ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کرنے کے ہیں اور

ایک دن پوری دنیا پران کی حکومت ہوگی۔ مہدیؑ کا عقیدہ قوت اور دفاع کا سرچشمہ ہے اس لئے کہ وہ چمکتا ہوا نور ہے جو کہ انسان کے دل سے یاس و ناامیدی کا قلع قمع کرتا ہے اور اس کے سینہ میں امید کی کرن کو تمام حوادث کے مقابلہ میں روشن رکھتا ہے۔

یوم موعود کا عقیدہ ثابت کرتا ہے کہ عدل اس ظلم وجور سے بھری ہوئی دنیا کا مقابلہ کرکے اس سے ظلم وستم کا خاتمہ کرسکتا ہے اور ایک نئے نظام کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ اور جب ظلم دنیا میں غلبہ اور وسعت پیدا کرلے تو یہ ایک غیر طبیعی وغیر فطری حالت ہوتی ہے جس کا انجام ضروری ہوتا ہے اور ظلم کا اپنے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد ختم ہو جانا ہر مظلوم فرد اور ہر مظلوم قوم کے اندر نئی امید پیدا کرتا ہے کہ ایک خراب حالات کو بدلنا اور دوسرے نظام کی بنیاد رکھنا ممکن ہے۔

تصور مہدیؑ

حضرت مہدیؑ کا تصور اس وقت سے ہے جبکہ اسلام نہیں آیا تھا۔ اور یہ تصور صرف اسلام میں محدود نہیں ہے۔ ہاں اس کی تفصیلی علامتوں کی اسلام نے اس طرح حدبندی کی ہے کہ وہ ان آرزوؤں کو مکمل طور پر پورا کرتی ہیں جو دینی تاریخ کی ابتدا ہی سے اس سے وابستہ کی گئی ہیں۔ جو تاریخ کے مظلوم اور کچلے جانے والوں کے احساس کو ابھارنے کیلئے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے غیب پر ایمان وعقیدہ کو واقعیت میں بدل دیا ہے اور اسے مستقبل سے حال میں پہنچا دیا ہے اور مستقبل بعید کے نجات دہندہ کو موجودہ نجات دہندہ پر ایمان میں بدل دیا ہے۔

یہ ان حالات کا فراہم ہوا ہے جن میں امام مہدیؑ عظیم کردار ادا کریں گے۔ مہدیؑ کوئی ایسا تصور نہیں ہے جن کی ولادت کا انتظار کرنا پڑے اور اس فکر کے مصداق کو تلاش کرنا پڑے۔ بلکہ وہ جسمانی طور پر موجود ہیں، ایک معین انسان ہیں، جسم و بدن کیساتھ ہمارے درمیان زندگی گذارتے ہیں۔ ہم انھیں دیکھتے ہیں۔ وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔ ہماری امیدوں اور مشکلوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہماری مسرت و مصیبت میں شریک ہوتے ہیں آپ دنیا میں ہونے والے ظلم و زیادتیوں، ناانصافیوں کو دیکھتے ہیں، اور ان تمام چیزوں سے آپ قریب و دور سے متأثر ہوتے ہیں، آپ کو اس لمحہ کا انتظار ہے کہ جب آپ کو حاجتمندوں کی حاجت روائی اور مظلوموں کی مدد اور ظلم و ستم کی بیخ کنی کی اجازت ملے گی۔

اگرچہ یہ عظیم قائد کہ جن کا انتظار کیا جاتا ہے ہمارے درمیان موجود ہیں اور اپنے ظہور کیلئے معین وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ انھیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نہ تو اپنی مہدویت کا اعلان کریں اور نہ ہی لوگوں سے اپنا تعارف کرائیں۔

واضح ہے کہ ان اسلامی نشانیوں کے ساتھ حضرت مہدیؑ کا تصور مظلوموں اور اس نجات دہندہ کے درمیان فاصلہ کو کم کر دیتا ہے اور انتظار کا زمانہ خواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو یہ تصور مظلوموں اور نجات دہندہ کے درمیان ایک پل بنا دیتا ہے۔

اور جب ہم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ تصور مہدیؑ پر یقین کریں کہ وہ زندہ، معین انسان ہیں، آج وہ ہماری ہی طرح زندگی گذار رہے ہیں، ایسے ہی منتظر ہیں جیسے ہم منتظر ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھائی جاتی ہے کہ امام مہدیؑ ہر قسم کے ظلم و ستم کا قلع قمع کریں گے اور یہ تصور امام منتظر کی شخصیت میں مجسم ہو گیا ہے۔ وہ عنقریب ظاہر ہوں گے اور

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کسی ظالم کے زیر سایہ نہیں ہوں گے۔ ان پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ظلم و ستم کے فنا ہونے پر یقین رکھیں۔

نیز احادیث میں انتظارِ فرج و گشائش پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور مہدی پر ایمان رکھنے والوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کا انتظار کریں کہ اس سے ان کے اور امام مہدیؑ کے درمیان ایک روحانی اور وجدانی رابطہ قائم ہوتا ہے...

اور یہ رابطہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں اور آج تک زندہ ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ فکر کی یہ تجسیم انسان کو ایک نئی قوت عطا کرتی ہے، جو اس سے درد و الم اور یاس و نا امیدی کو دور کرتی ہے اور جب انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا امام اور رہبر بھی اس کے درد و غم میں شریک اور آج کے انسان کی طرح اس کے ساتھ زندگی بسر کررہا ہے نہ کہ مستقبل کا ایک تصور ہے تو اسے بڑی ہمت و طاقت ملتی ہے۔ لیکن چونکہ بعض لوگ اس تصور کو نہیں سمجھتے لہٰذا انہوں نے حضرت مہدیؑ کے وجود کے بارے میں منفی نظریات قائم کرلئے ہیں۔ اور وہ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ:

اعتراضات

۱۔ اگر حضرت مہدیؑ زندہ انسان ہیں تو وہ دس صدیوں سے یکے بعد دیگرے تمام نسلوں کے معاصر رہے ہیں اور ظاہر ہونے تک اسی طرح آنے والی صدیوں کے معاصر رہیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان اتنی طویل مدت تک زندہ رہے اور فطرت کے

قوانین بھی اس پر اثر انداز نہ ہوں، جبکہ ان قوانینِ فطرت کی رو سے ہر انسان بڑھاپے اور اس سے بھی اگلے مرحلہ سے گذرتا ہے، یہاں تک کہ مرجاتا ہے۔ کیا درحقیقت اتنی طویل عمر محال نہیں ہے؟

۲۔ آخر خداوند عالم کو اس انسان کے بارے میں اتنا اصرار کیوں ہے جس کی وجہ سے قوانین فطرت معطل ہوجائیں اور خدا انھیں اتنی طویل عمر دیکر محال کام انجام دے اور روز موعود تک ان کی حفاظت کرے، کیا بشریت دوسرا قابل رہنما پیدا نہیں کرسکتی؟ اور یہ ذمہ داری کسی ایسے رہنما پر کیوں نہیں چھوڑ دی جاتی جو روزِ موعود سے کچھ پہلے پیدا ہو، زمانہ کے لوگوں کے ساتھ پرورش پائے پھر بتدریج اپنا فریضہ انجام دیتا رہے یہاں تک دنیا کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی تھی؟

۳۔ اگر حضرت مہدیؑ ایک مخصوص شخص ہیں جو کہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے گیارہویں امام کے فرزند ہیں، ۲۵٦ھ میں پیدا ہوچکے ہیں اور ان کے والد نے ۲٦۰ھ میں وفات پائی ہے تو یہ اپنے والد کے انتقال کے وقت بچہ تھے جنکی عمر پانچ سال سے زیادہ نہ تھی اور وہ اس عمر میں اپنے والد سے فکری اور دینی تربیت حاصل نہیں کرسکتے تھے تو اپنی دینی، فکری اور علمی ذمہ داری پورا کرنے کیلئے وہ کیسے تیار ہوئے؟

۴۔ اور اگر امام اپنی ذمہ داری کو انجام دینے کیلئے تیار تھے تو پھر اس سیکڑوں سال کی طویل مدت کے انتظار کے کیا معنی ہیں؟

کیا دنیا میں آنے والے انقلابات اور رونما ہونے والے ایلیے اس بات کا تقاضا نہیں کرتے کہ امام مہدیؑ ظاہر ہوں اور زمین پر عدل وانصاف کا بول بالا کریں؟

۵- ہم حضرت مہدیؑ کے وجود کو کیسے تسلیم کریں اور بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیں تو یہ کیسے ممکن ہے ؟ کیا کوئی انسان اس قسم کے مفروضہ کو محکم عملی و شرعی دلیلوں کے بغیر تسلیم کرسکتا ہے ؟ کیا مذکورہ مفروضہ کو تسلیم کرنے کیلئے وہ چند روایات کافی ہیں جن کے صحیح ہونے کا ہمیں علم بھی نہیں ہے ؟

۶- کیا ایک شخص دنیا کو بدلنے میں اتنا عظیم کردار ادا کرسکتا ہے ؟ خواہ وہ شخص کتنا بھی عظیم کیوں نہ ہو وہ تاریخ ساز ہوسکتا ہے کہ اسے نیا رخ دے سکتا ہے۔ کیونکہ تاریخی تبدیلی کے اسباب اور اس کی جڑیں معاشرے کے حالات و تناقضات میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور ایک شخص کی عظمت بھی انھیں چیزوں سے وجود میں آتی ہے۔

۷- حضرت مہدیؑ ظلم و جور اور سرکشی کا قلع قمع کرنے، عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کیلئے کونسا طریقہ استعمال کریں گے ؟ جبکہ ظالموں اور سرکشوں کے پاس تباہ کن آلات، سائنسی معلومات، سیاسی سوجھ بوجھ اور عسکری و فوجی طاقت موجود ہے تو وہ اتنا بڑا انقلاب کیسے لائیں گے ؟

اسی قسم کے سوالات دہرائے جاتے رہے ہیں۔ ان سوالات کا محرک ہمیشہ تحقیقی ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی کچھ نفسیاتی وجوہ بھی ہیں اور یہ بھی عام خیال ہے کہ دنیا کا نظام اتنا قوی اور ناقابل تسخیر ہے کہ اسے ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس خیال سے بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے سوالات سامنے آتے ہیں اور انسان شکست پذیری و احساس کمتری کی طرف ڈھکیل دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ ایسے عالمی انقلاب کا نام سن کر ہی کانپنے لگتا ہے کہ جو دنیا کے تناقضات اور اس کے تاریخی نظام

کا قلع قمع کر کے اس میں عدل و انصاف کی بنیاد پر نیا نظام قائم کرے گا۔ یہ مایوسی اسے شک میں مبتلا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ انقلاب کا انکار کر دیتا ہے اور اسے یقین حاصل نہیں ہو پاتا۔

اب ہم مذکورہ سوالات کے بارے میں بحث کریں گے اور ہر سوال کے سلسلے میں چند لحظات غور و فکر میں صرف کریں گے۔

پہلی بحث

امام مہدیؑ کی طویل عمر

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان صدیوں زندہ رہے، جیسا کہ اس منتظر پیشوا کیلئے فرض کیا گیا ہے جس کی عمر اس وقت ۱۱۴۰ سال سے زیادہ ہے؟ یہ عمر ایک عام انسان کی زندگی کے مقابلے میں، جو کہ بچپن سے بڑھاپے تک کے تمام مرحلوں سے گذرتا ہے تقریباً چودہ گنا زیادہ ہے؟

امکان کے تین معنی ہیں: امکان عملی، امکان علمی اور امکان منطقی یا فلسفی۔ امکان عملی، یعنی ایک چیز میرے یا آپ کے یا دوسرے انسان کی قدرت میں ہو مثلاً دریا کی تہ تک پہنچنا یا چاند پر جانا، یہ ایسی چیزیں ہیں جنھیں آج کسی نہ کسی صورت میں انجام دیا جا سکتا ہے۔

امکان علمی سے مراد یہ ہے کہ بعض چیزیں جنھیں آج عملی صورت میں انجام نہیں دیا جا سکتا لیکن مساعد حالات میں ان کے امکان پذیر ہونے سے انکار کی کوئی علمی وجہ نہیں ہے اور علمی رجحان سے یہ اندازہ ہو جائے کہ کسی نہ کسی زمانہ میں ان امور کو انجام دیا جا سکتا ہے مثلاً انسان کے زہرہ سیارہ پر پہنچنے کے امکان کو رد کرنے کیلئے کوئی علمی وجہ نہیں ہے بلکہ ابھی تک جو علمی نظریات قائم ہوئے ہیں وہ اس کے امکان کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اگرچہ آج تک کوئی زہرہ سیارے پر نہیں پہنچ سکا ہے لیکن زہرہ تک پہنچنے اور چاند پر پہنچنے میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے چونکہ زہرہ کا فاصلہ زمین سے چاند کے فاصلہ سے زیادہ ہے اس لئے زہرہ پر پہنچنے کیلئے کچھ مشکلات پر قابو پانا ضروری ہے لہذا

علمی لحاظ سے زہرہ پر پہنچنا ممکن ہے اگرچہ عملی طور پر ممکن نہ ہو سکا ہے۔ اس کے برعکس سورج پر پہنچنا علمی لحاظ سے بھی ناممکن ہے۔ علم کہتا ہے کہ اس کا واقع ہونا ناممکن ہے کیونکہ علمی اور تجربہ کی رو سے انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا ہے کہ ایک لباس تیار کرے جو اسے سورج کی وحشتناک گرمی سے محفوظ رکھ سکے۔

منطقی یا فلسفی امکان یہ ہے کہ انسان کی عقل کسی چیز کو قوانین کی رو سے ناممکن قرار نہ دے۔ مثلاً منطقی لحاظ سے تین نارنگیوں کو اس وقت تک دو برابر حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا جب تک ان میں ایک کو نہ کاٹا جائے۔ کیونکہ عقل — بغیر کسی تجربہ کے — اس بات کا ادراک کرتی ہے کہ تین چونکہ طاق ہے جفت نہیں ہے۔ اس لئے اس کو دو برابر حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، صرف جفت کا ہندسہ اس طرح تقسیم ہو سکتا ہے اور ایک ہندسہ بیک وقت جفت و طاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تناقض ہے اور منطقی لحاظ سے تناقض محال ہے۔ لیکن ایک انسان کا آگ میں داخل ہونا اور نہ جلنا یا سورج پر جانا اور اسکی گرمی سے متاثر نہ ہونا منطقی لحاظ سے محال نہیں ہے کیونکہ اس مفروضہ میں تناقض نہیں ہے کہ زیادہ حرارت رکھنے والے جسم سے کم حرارت رکھنے والے جسم میں حرارت منتقل نہ ہو حالانکہ یہ فرضیہ ہمارے ان گذشتہ تجربات کے خلاف ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ زیادہ حرارت رکھنے والے جسم سے کم حرارت رکھنے والے جسم میں اس وقت تک حرارت منتقل ہوتی رہے گی جب تک دونوں کی حرارت برابر نہ ہو جائے۔ واضح ہے کہ امکانِ منطقی کا دائرہ امکان علمی کے دائرہ سے وسیع ہے اور امکان علمی کا دائرہ امکانِ عملی سے وسیع تر ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ منطقی لحاظ سے ایک انسان کا ہزاروں سال تک زندہ رہنا ناممکن نہیں ہے کیونکہ یہ عقل کے لحاظ سے محال نہیں ہے اور ایسے فرضیوں میں کوئی تناقض بھی نہیں ہے پھر زندگی بھی اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ انسان جلد مر جائے، اس سلسلہ میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

اس میں بھی شک اور بحث کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ طویل عمر فی الحال عملی طور پر ممکن نہیں ہے جیسے سمندر کی تہہ میں اترنا یا چاند پر جانا موجودہ علمی ترقی، آلات و اسباب اور انسانی تجربات کے ذریعہ اب یہ آسان ہو گیا ہے لیکن انسانی زندگی کو کئی سو سال تک بڑھانا ممکن نہیں ہے اور عملاً وہ لوگ بھی طبیعی زندگی ہی گذارتے ہیں جن کے پاس جدید وسائل ہیں اور طولانی عمر گذارنا چاہتے ہیں۔

لیکن امکان علمی کے لحاظ سے ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو کہ نظریاتی لحاظ سے اس کا انکار کر دے۔ درحقیقت اس بحث کا تعلق تشریح الاعضاء سے ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بڑھاپا اور فرسودگی — اپنے نمو کی انتہا تک پہنچنے کے بعد — ایک طبیعی قانون کے تحت انسان کے جسم کی ساخت اور اس کے خلیوں پر طاری ہوتی ہے کہ جس سے بدن آہستہ آہستہ فرسودہ ہو جاتا ہے اور کام انجام دینے کی صلاحیت کھو دیتا ہے، یہاں تک وہ ایک معین وقت پر پہنچکر کام انجام دینا چھوڑ دیتا ہے یا بدن کے خلیوں میں فرسودگی اور ان کی صلاحیتوں میں جو کمی واقع ہوتی ہے وہ انسانی بدن میں باہر سے اثر انداز ہونے والے عوامل جراثیم اور زہریلے مادے سے مقابلہ کے نتیجے میں ہوتا ہے ؟

اس سوال سے سائنس بھی الجھی ہوئی ہے۔ اس نے اس کا جواب دینے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ابھی تک اس کا جواب سائنسی دنیا کو نہیں مل سکا۔

جب ہم سائنس کے اس نظریہ کو ملاحظہ کرتے ہیں جو کہ بڑھاپے، ضعف اور اس کے دوسرے مرحلے کی وجہ بیان کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپا باہر سے اثر انداز ہونے والی چیزوں کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ یہ بھی امکانِ نظری ہے۔ اگر ان سے بدن کے خلیوں کو ان اثرات سے بچا لیا جائے تو عمر کے بڑھنے اور بڑھاپے سے بچنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے اور اس پر قابو پا لیا جائے گا۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بڑھاپا زندہ خلیوں کیلئے طبیعی "قانون" ہے یعنی خود ان کے اندر مکمل طور پر قوت کے سلب ہوجانے کے حالات موجود ہوتے ہیں۔ وہ بڑھاپے اور ضعیفی کے مراحل طے کرتے ہیں اور موت سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔

اگر ہم یہ نظریہ قبول بھی کریں تو بھی اس کے معنی یہ نہیں کہ اس طبیعی "قانون" میں کوئی کمی نہیں ہے، بلکہ اس میں بھی لچک ہے کیونکہ ہم اپنی زندگی کے عام دنوں میں ملاحظہ کرتے ہیں اور سائنسدانوں نے بھی عملی تجربہ گاہوں میں یہ مشاہدہ کیا ہے کہ لمبی عمر کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اعضاء پر کوئی شیئے طاری ہوجاتی ہے، اس کا زمانہ سے کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ یہ بڑھاپا کبھی جلد بھی آجاتا ہے اور کبھی تاخیر سے آتا ہے، اس کے آثار بھی مدتوں بعد نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کافی عمر دراز ہوجاتا ہے، اس کے بدن میں توانائی باقی رہتی ہے لیکن اس میں بڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے۔ اطباء بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں چنانچہ اس قانونِ طبیعی میں لچک ہونے ہی کی بناء پر سائنسدانوں نے بعض عوامل واسباب پیدا کئے جن سے بڑھاپے کے "قانون میں" تاخیر ہو سکتی ہے۔ اس طرح انہوں نے بعض حیوانوں

کی عمران کی طبیعی عمروں سے کہیں زیادہ بڑھادی ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مخصوص حالات و اسباب کے فراہم کرنے سے سائنس قانون کو توڑ سکتی ہے اور بڑھاپے میں تاخیر ہو سکتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ابھی انسان پر اس کا تجربہ نہیں ہو سکا ہے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں انسان پر تجربہ کرنے کیلئے بہت سی دشواریاں ہیں۔ سائنس اپنی لمحہ لمحہ کی تحقیق سے یہ ثابت کر رہی ہے کہ علمی زاویۂ نظر سے انسان کی طویل عمر ہونے کے امکان کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے، خواہ بڑھاپے کو اس زاویہ نظر سے دیکھا جائے کہ وہ جسم کے بیرونی عوامل سے متاثر ہو جانے سے آتا ہے۔ خواہ یہ تسلیم کریں کہ وہ زندہ خلیوں پر عارض طبیعی قانون سے وجود میں آتا ہے۔ مختصر یہ کہ انسان کی لمبی عمر اور اس کا صدیوں زندہ رہنا منطقی اور سائنسی لحاظ سے ممکن ہے، لیکن ابھی تک عملی نہیں ہو سکا ہے۔ مگر علم اس طرف بڑھ رہا ہے اور انسان کی لمبی عمر کے امکانات ڈھونڈ رہا ہے۔

گزشتہ بحث کی روشنی میں ہم حضرت مہدیؑ کی عمر کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس سے متعلق کئے جانے والے اعتراضات اور تعجبات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا جواب دے سکتے ہیں کہ:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ علمی اور منطقی لحاظ سے طویل عمر کا امکان ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ سائنس دان اس امکانِ نظری کو امکانِ عملی میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو پھر حضرت مہدیؑ کی طویل عمر کے بارے میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مہدیؑ خود علم سے آگے بڑھ گئے ہیں اور ان کے سلسلے میں امکان علمی

امکان عملی میں بدل گیا ہے۔ جبکہ علم اپنی ترقی کے باوجود ابھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے سرطان اور دوسرے مہلک امراض کی دواؤں کو علم کی ترقی سے پہلے ہی کشف کر لیا۔

اسلام کی ترقی

اگر یہ سوال اٹھے کہ اسلام نے ۔ اس امام وقائد منتظرؑ کی زندگی کے لئے سائنس پر کیسے سبقت حاصل کی ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ صرف یہی ایک موضوع نہیں ہے جس میں اسلام نے سائنس پر سبقت حاصل کی ہے۔ بلکہ شریعت اسلامیہ سائنسی ترقی اور فکر انسانی کی صدیوں کی فطری پرواز پر بھی سبقت لے گئی ہے۔

کیا اسلام نے ایسے نعرے بلند نہیں کئے ہیں جن تک انسان صدیوں کی کوششوں کے بعد پہنچا ہے؟ کیا اسلام نے ایسی حکمت والی چیزیں بیان نہیں کیں جن کے اسرار کو انسان اس زمانہ میں بھی نہیں سمجھ سکا اور نہ ان میں پوشیدہ حکمت کا سراغ لگا سکا تھا اور چند دہائی قبل ان تک پہنچا ہے؟

کیا الٰہی رسالت نے کائنات کے ایسے اسرار سے پردہ نہیں اٹھایا ہے جن کا ذہنِ انسان میں خطور بھی نہیں ہوا تھا اور بعد میں سائنس نے اسے ثابت کیا ہے۔

جب ہم ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر رسالت کو بھیجنے والے کیلئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ وہ حضرت مہدیؑ کی طویل عمر کو علم پر سبقت دلا دے۔ میں نے

صرف سائنس پر اسلام کی انھیں سبقتوں کا ذکر کیا ہے جنھیں ہم براہ راست محسوس کر سکتے ہیں،
ہم یہاں ان واقعات کا بھی اضافہ کر سکتے ہیں جنھیں الٰہی رسالت نے ہم سے بیان کیا ہے مثلاً
قرآن مجید فرماتا ہے کہ رسولؐ کو ایک رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا اور یہ رات کا
سفر فطری قوانین کے مطابق اتنی تیزی سے طے کیا کہ سائنس نے صدیوں بعد اس کو ممکن قرار
دیا۔ پھر جس رب العالمین کے علم نے رسولؐ کو اس وقت اتنی تیز رفتاری عطا کی اسی نے آنحضرتؐ
کے منصوص خلیفہ کو اس وقت طویل عمر عطا کی جب سائنس اسے عملی طور پر تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ خدا نے نجات دلانے والے حضرت مہدی منتظرؑ کو جو عمر عطا کی ہے
وہ لوگوں کی زندگی میں اور آج تک سائنس دانوں کے تجربہ کی رو سے غیر معمولی ہے۔ لیکن
حضرت مہدیؑ دنیا کو یکسر بدل دیں گے اور عدل و انصاف کی بنیاد پر اسے سنوار دیں گے
کیا یہ بات عجیب نہیں، کیا لوگ اس سے مانوس ہیں، کیا تاریخ میں اس پر تجربہ کیا گیا ہے ؟

لہٰذا ہمیں اس قائد کے بارے میں غیر معمولی چیزیں مثلاً طویل عمر دیکھ کر تعجب نہیں
کرنا چاہئے کیونکہ یہ چیزیں خواہ کتنی ہی غیر مانوس اور عجیب کیوں نہ ہوں بہر حال اس
عظیم کردار سے زیادہ حیرت انگیز نہیں ہیں جس کا مظاہرہ حضرت مہدیؑ روز موعود
کریں گے۔ اگر ہم آپؑ کے اس منفرد تاریخی کردار کو تسلیم کرتے ہیں جس کی مثال تاریخ
بشریت میں نہیں ملتی تو اس طویل عمر کو کیوں تسلیم نہیں کرتے جس کی مثال ہماری زندگی میں
نظر نہیں آتی ؟

میں، نہیں جانتا یا صرف ایک اتفاقی بات ہے کہ جن دو افراد نے انسانی تہذیب کی
خرابیوں کو ختم کر کے نئی تہذیب کی بنیاد رکھی ہے ان میں سے ہر ایک نے اتنی طویل عمر کیوں پائی

ہے جو انسان کی عام عمر سے کہیں زیادہ ہے ۔

ان میں سے ایک نے بشریت کے ماضی میں اپنا کردار ادا کیا اور وہ ہیں حضرت نوحؑ ان کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے درمیان نو سو پچاس سال رہے اور طوفان کے بعد انھیں اتنی طاقت دی گئی کہ وہ دنیا کی تعمیر نو کریں ۔

دوسرے حضرت مہدیؑ ہیں جو کہ بشریت کے مستقبل میں اپنا کردار ادا کریں گے وہ ہزار سال سے بھی زائد عرصہ سے آج تک اپنی قوم کے درمیان ہیں ، اور معین دن میں اس دنیا کی تعمیر نو کریں گے ۔

کیا یہ درست ہے کہ ہم حضرت نوح کی تقریباً ہزار سالہ عمر کو تو تسلیم کر لیں لیکن حضرت مہدیؑ کی طویل عمر کو تسلیم نہ کریں ؟

دوسری بحث

معجزہ اور طولانی عمر

گزشتہ بحث میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سائنس کی رو سے عمر طولانی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ فرض کیجئے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور پیرانہ سالی و ضعیف العمری کا قانون اپنی جگہ ہے اور آج تک بشریت اس کا مقابلہ نہیں کر سکی ہے نہ اس پر قابو پایا جا سکتا ہے اور نہ زمانہ اور حالات کے بدلنے سے اس میں تبدیلی آ سکتی ہے تو پھر طولانی عمر کے کیا معنی ہیں؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ـــ حضرت نوحؑ و حضرت مہدیؑ ـــ کی صدیوں پر محیط طبیعی عمر کے ان قوانین کے خلاف ہے جن کو سائنس نے تجربہ اور تحقیق کے جدید طریقوں کے مطابق ثابت کیا ہے۔ اس صورت میں طولانی عمر ایک معجزہ ہے جو کہ مخصوص حالت میں قانونِ طبیعت کو بیکار کر دیتا ہے تاکہ اس شخص کی زندگی کی حفاظت کی جا سکے جس کے سپرد آسمانی پیغام کیا گیا ہے اور یہ اپنی نوعیت کا واحد معجزہ نہیں ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہے جو قرآن و سنت پر استوار ہے، پھر بڑھاپے اور کہن سالی کا قانون تبادلۂ حرارت کے قانون سے ـــ کہ جس میں زیادہ حرارت والے جسم سے کم حرارت والے جسم میں حرارت منتقل ہوتی ہے ـــ زیادہ ٹھوس اور قوی نہیں ہے۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کو بچانے کیلئے یہ قانون بیکار کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کو بچانے کا صرف یہی طریقہ تھا کہ قانون کو معطل کر دیا جائے چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ

کو آگ میں ڈالا گیا تو ارشاد ہوا:

قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علیٰ ابراھیم

(انبیاء / ٦٩)

ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیمؑ کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث ہوجا۔

حضرت ابراہیمؑ آگ سے ایسے ہی صحیح و سالم نکل آئے جیسے داخل ہوئے تھے۔ آپؑ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اس کے علاوہ بھی انبیاء اور روئے زمین پر خدا کی حجتیں ہیں جن کو بچانے کی خاطر طبیعی قوانین کو معطل کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کیلئے دریا کو شگافتہ کیا گیا۔ رومیوں نے یہ خیال کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لیا ہے، جبکہ نہ انہوں نے آپؑ کو گرفتار کیا اور نہ آپؑ کو سولی دی۔ حضرت محمدؐ ایسے حالات میں اپنے گھر سے نکلے کہ قریش نے آپکے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور آپؐ پر حملہ کرنے کیلئے انتظار کر رہے تھے۔ جب آپ ان کے درمیان سے نکلے تو خدا نے آپ کو ان کی نظروں سے چھپا لیا۔ ان موقعوں پر خدا نے ہر ایک کو بچانے کیلئے طبیعی قوانین کو معطل کر دیا، حکمت ربانی کا اقتضا یہ تھا کہ ہر ایک کی جان بچائی جائے، بڑھاپا اور ضعیف العمری بھی انھیں قوانین میں سے ایک ہے۔

اس سے ہم ایک عام نتیجہ نکال سکتے ہیں اور وہ یہ کہ جب کبھی روئے زمین پر کسی حجت خدا کی جان پر بنی ہے تو طبیعی قانون معطل کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کو زندہ رکھنا اس لئے ضروری تھا تاکہ وہ اس مشن کو مکمل کر سکے جس کیلئے اسے بھیجا گیا ہے۔ اس کے برعکس جب اسکی وہ ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے جو اسے تفویض کی گئی تھی تو پھر وہ طبیعی قوانین کے تحت اپنی موت مرجاتا ہے یا شہید ہوجاتا ہے۔

اس مفہوم کے لحاظ سے عام طور پر ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ طبیعی قانون کیسے معطل ہوجاتا ہے اور مختلف مظاہر کے درمیان موجود ضروری ربط کیسے ٹوٹ جاتا ہے ؟ کیا یہ تعطل اس علم کے مشکوک ہونے کے مترادف نہیں ہے جس نے اس قانون کی دریافت کی ہے اور تحقیق و تجربات کی بنیاد پر ان مظاہر کا باہمی تعلق کیا ہے ؟!

جواب : خود علم نے اس سوال کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ طبیعی قانون ضروری نہیں ہیں۔ یعنی تجربہ اور نظم کی بنیاد پر سائنس نے طبیعی قانون کی دریافت کی ہے، پھر جب ایک طبیعی مظہر کے بعد دوسرا رونما ہوتا ہے تو اس سے طبیعی قانون پر استدلال کیا جاتا ہے، اور اس استدلال کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی پہلا مظہر یا وقوعہ وجود پذیر ہوگا اس کے بعد دوسرا بھی وجود میں آئے گا۔ لیکن سائنس اس طبیعی قانون کو بیان کرتے وقت اس فرض کو تسلیم نہیں کرتی ہے کہ دو مظاہر کے درمیان ایک ایسا جبری و قہری تعلق و رابطہ ہے جو خود اس کی ذات سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ یہ جبر، غیر مرئی حالت ہے جس کو تجربوں اور استقرائی و سائنسی وسائل کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا جدید سائنس اس بات پر زور دیتی ہے کہ جس اسلوب سے اس نے ایک طبیعی قانون کی تعریف کی ہے اس سے جبری ربط ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس سے دو مظاہر کے درمیان ایک مسلسل ربط ثابت ہوتا ہے۔

پھر اگر معجزہ رونما ہو اور دو مظاہر میں سے ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہوجائے کہ دونوں کے درمیان طبیعی ربط باقی نہ رہے تو اس ربط کا ختم ہوجانا جبری نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنس کی روشنی میں معجزہ اپنے دینی مفہوم کے مقابلہ اپنے کلاسیکی مفہوم سے کہیں زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔

قدیم نظریہ یہ تھا کہ اگر دو مظاہر ایک دوسرے کے بعد مسلسل ظہور پذیر ہوں تو ان کے درمیان ناگزیر تعلق ہوتا ہے یعنی ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا محال ہے. لیکن جدید سائنس کی رو سے اس ناگزیر ربط کی جگہ اتصال و تسلسل آگیا ہے لہٰذا غیر مرئی جبر ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا اب معجزہ غیر متغیر تسلسل کی استثنائی حالت تصور کیا جاتا ہے، جس کا منطقی لازمہ یہ ہے کہ اس سے نہ ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی یہ محال ہے۔

لیکن جب ہم جدید سائنس کے زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور منطقی استقراء کی بنیادوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ استقراء دو مظاہر کے درمیان ضروری ربط کی دلیل نہیں ہے لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان مسلسل رابطہ موجود ہے اور یہ رابطہ خدا کی حکمت سے ان مظاہر کے درمیان وجود پذیر ہوا ہے اور اسی کی حکمت بعض اوقات اس رابطہ کو توڑ دیتی ہے، نتیجہ میں معجزہ رونما ہو جاتا ہے۔

تیسری بحث

آپ کی طولِ عمر پر اتنا اصرار کیوں ہے؟

اب ہم دوسرے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ معترض کہتا ہے کہ خداوند عالم حضرت مہدیؑ کی عمر کو اتنی طولانی کیوں کرنا چاہتا ہے، انکی طولِ عمر سے طبیعی قانون معطل ہو جائیں گے۔ کیوں نہ قیادت اس شخص کے ذمہ کر دی جائے جو کہ مستقبل میں پیدا ہو اور اس کی پرورش و تربیت، زمانہ کے مطابق کی جائے؟

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اس طویل غیبت کا کیا فائدہ؟ اور اسکی کیا دلیل ہے؟

بہت سے لوگ یہی سوال کرتے ہیں اگر انہیں ایمان بالغیب کی اساس پر جواب دیا جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے — ہمارا ایمان ہے کہ بارہ[12] ائمہ ایک مجموعہ ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں بدلا جا سکتا — یہ سوال کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ انہیں عام فہم اور معاشرہ میں رائج اقدار کی اساس پر جواب دیا جائے تاکہ وہ انقلاب حضرت مہدیؑ کو سمجھ سکیں، لہٰذا ہم فی الحال ان خصائص سے قطع نظر کرتے ہیں جن کو ہم ائمہ معصومینؑ سے متعلق تسلیم کرتے ہیں اور درج ذیل سوال اٹھاتے ہیں:

اس معین و موعود دن — جس کا انتظار کیا جا رہا ہے — میں تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ ہم انھیں زندگی کی سنتوں اور تجربوں کی روشنی میں یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ہم

اس ذخیرۂ الٰہی قائد و پیشوا کی طویل عمر کو ان کی کامیابی کا سبب قرار دے سکتے ہیں اور کیا یہ طویل عمر ان کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی ؟

ہم اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں ۔ اس کے چند اسباب ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں :

وہ عظیم انقلاب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قائد کو بے مثال صلاحیتوں کا مالک ہونا چاہئے اور اپنے اس بلند نظام کا انہیں مکمل طور پر احساس ہونا چاہئے جو کہ ان کے سپرد کیا گیا ہے، کیونکہ جس فاسد تہذیب و معاشرہ سے انھیں جنگ کرنا ہے اس سے وہ جتنا بیزار ہوں گے اتنا ہی نئی تہذیب کی داغ بیل رکھنے میں سنجیدہ ہوں گے اور اس سلسلہ میں مسلسل جنگ کرنیکا عزم رکھتے ہوں گے ۔

واضح ہے کہ رہبر کی صلاحیتیں انقلاب اور مٹائے جانیوالے نظام کے مطابق ہونی چاہئیں چنانچہ مٹایا جانے والا نظام جتنا وسیع اور بڑا ہوگا اور وہ فاسد تہذیب جتنی رائج اور جڑ پکڑی ہوگی اتنی ہی اس کے خلاف زبردست صلاحیتوں کی ضرورت ہوگی ۔

اور چونکہ روزِ موعود ظلم و جور سے پُر دنیا میں انقلاب لانا اور اس کی تہذیبوں کا قلع قمع کرنا ہے، اس کے مختلف نظاموں کی بنیادوں کو اکھاڑنا ہے لہٰذا لامحالہ یہ کام ایسے شخص کے سپرد ہونا چاہئے جس کی صلاحیتیں، اور شعور اس زمانہ کے ہر انسان سے بلند ہو اور وہ اس زمانہ میں پیدا نہ ہوا ہو جس کی تہذیب کے سایہ میں لوگ پرورش پا رہے ہوں اور جس کو تباہ کر کے عدل و انصاف پر مبنی تہذیب کی بنیاد رکھنا ہو، کیونکہ جو شخص اس مسلط تہذیب میں پرورش پائے گا وہ فطری طور پر اس تہذیب سے متأثر بھی ہوگا

کیونکہ اس نے اسی دنیا میں آنکھیں کھولی ہیں اور اس کے علاوہ دوسرا ماحول نہیں دیکھا ہے۔ لہٰذا مشاہدہ کی ہوئی اشیاء اور اس زمانہ کے افکار و اقدار اس کے ذہن میں نقش ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس جس شخص نے طویل عمر گذاری ہو، جس نے دنیا پر حاکم ایک کے بعد دوسری عظیم تہذیبوں کا عروج و زوال دیکھا ہو، اور یہ تمام چیزیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوں تاریخی کتابوں میں نہیں۔ پھر روزِ موعود سے پہلے اس نے آخری تہذیب کو دیکھا ہو اس کے نشیب و فراز، اس کی ابتداء و انتہا کو دیکھا ہو اور یہ مشاہدہ کیا ہو کہ یہ نظام کس طرح پھولا پھلا اور اس سے کس طرح پنجہ آزمائی کی جا سکتی ہے نیز اس نے دنیا کے حالات کو اچھی طرح پرکھا ہو۔

اس تہذیب کو وہ "جان جیک روسو" کے نقطۂ نظر سے نہیں دیکھے گا۔ "جان جیک روسو" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فرانس کو جب بغیر بادشاہ کے تصور کرتا تھا تو کانپ جاتا تھا جبکہ وہ فکری اور فلسفی لحاظ سے سیاسی انقلاب کے بڑے علم برداروں میں سے ایک تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ روسو نے بادشاہی نظام میں پرورش پائی تھی اور اسی کی فضا میں سانس لی تھی، لیکن جس شخص کا تاریخ سے طویل سابقہ رہا ہو، اور تاریخی مراحل اس کی نظروں کے سامنے ہوں، اعلیٰ شعور و صلاحیت کا مالک ہو زمانہ کے نظام اور تہذیب کے وجود میں آنے سے آگاہ ہو اور اس کے وجود میں آنے کے اسباب اور اس کے زوال پذیر ہونے کے عوامل کو جانتا ہو تو اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں رہے گی، قریب و بعید کی ساری چیزیں اسکی نظروں کے سامنے ہیں اور پھر تہذیبیں و نظام خواہ کتنے ہی قدیم کیوں نہ ہوں ان کی تاریخ چند روزہ ہے۔

کیا آپ نے سورۂ کہف کی تلاوت کی ہے؟

اور کیا آپ نے ان جوانوں کی سرگذشت پڑھی ہے، جو اپنے پروردگار پر ایمان رکھتے تھے اور خدا نے ان کی ہدایت کی تھی؟ اور انہوں نے اس بت پرست نظام سے ٹکر لی تھی جو کہ اس وقت مسلط تھا۔ اس زمانہ میں کسی پر رحم نہیں کیا جاتا تھا۔ حاکم وقت توحید کا جانی دشمن تھا۔ ان جوانوں نے گھٹن محسوس کی، انھیں مایوسی نے گھیر لیا۔ امید کی ساری راہیں مسدود ہوگئیں، وہ خدا سے اپنی مشکل کشائی کی دعا کرتے ہوئے غار میں پناہ گزین ہوگئے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ باطل کی حکومت ختم نہیں ہوگی۔ حق مغلوب رہے گا اور حق کے ماننے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ خدا نے ان کے ساتھ کیا کیا؟

خدا نے انھیں ۳۰۹ سال تک اسی غار میں سلائے رکھا، پھر انھیں بیدار کیا اور انھیں جیتی جاگتی دنیا میں لوٹا دیا۔ اس وقت وہ نظام، جس کے دبدبہ اور ظلم سے یہ لوگ پریشان تھے، تباہ ہو کر تاریخ بن گیا تھا نہ کسی پر کسی کا رعب تھا اور نہ کسی کو ستایا جاتا تھا۔ یہ اہتمام اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ جوان اس باطل نظام کا زوال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کے دبدبے اور قوت نے انھیں مرعوب کر رکھا تھا اور اپنی آنکھوں سے اس کی انتہا بھی دیکھ لیں تاکہ ان کے ذہنوں میں باطل حقیر ہو جائے۔

اگر یہ واضح خواب اصحاب کہف کو نصیب ہو سکتا ہے جس سے انھیں بلندی ملی اور جس سے ان کی تین سو سال تک عمر بڑھا دی گئی تو بالکل یہی چیز امام منتظرؑ کو بھی مل سکتی ہے تاکہ وہ اپنی حاصل ہونے والی طویل عمر میں یہ دیکھ لیں کہ ایک دیو ایک بونے میں، ایک ہرا بھرا درخت بیج میں اور شدید طوفان نسیم کے جھونکے میں کیسے تبدیل ہو گیا۔

مزید برآں اس امام وقائد کو یکے بعد دیگرے آنے والی تہذیبوں اور ان کی ترقیوں کو براہ راست دیکھنے سے جو تجربہ حاصل ہوگا اس سے قائد کی تعمیر فکر اور روز موعود کی قیادت کیلئے اس کی ذھنی صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہوگا جس سے وہ اپنے مشن کی تکمیل کرے گا اور گذشتہ لوگوں کے کمزور و محکم پہلوؤں اور ان کی صحیح وغلط روش سے فائدہ حاصل کرے گا۔ وہ تاریخی و اجتماعی ترقی کا صحیح طور پر اندازہ لگا سکے گا۔ پھر امام منتظرؑ کو جو انقلاب برپا کرنا ہے، اس کی بنیاد معین پیغام پر استوار ہوگی اور وہ پیغام اسلام ہے۔ اس صورت میں قدرتی طور پر ان کے مشن کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ اسلامی ماخذ سے قریب ہوں اور انکی شخصیت مستقل ہو اس کی تعمیر میں ان تہذیبوں کا کوئی اثر نہ ہو جن سے وہ روز موعود جنگ کریں گے۔

پس جس شخص نے ایک خاص تہذیب کے سایہ میں ولادت و پرورش پائی ہے اور اس کے دائرہ میں اس نے فکر و شعور کی آنکھیں کھولی ہیں وہ اس تہذیب کے اثرات سے جدا نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ اس کے خلاف مہم کی قیادت ہی کیوں نہ کرے۔ چنانچہ اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کہ جو قائد ان تہذیبوں کو بدلنے کیلئے ذخیرہ کیا گیا ہے وہ ان تہذیبوں سے متاثر نہیں ہے بلکہ اس کی شخصیت کی بنیاد ایک خاص تہذیب کے زاویوں پر استوار ہے۔

چوتھی بحث

امامِ منتظرؑ کی تربیت

اب ہم تیسرے سوال کو پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ امام منتظر عج کی تربیت کیسے ہوئی؟ جبکہ وہ اپنے والد امام حسن عسکریؑ کے ساتھ پانچ سال سے زیادہ نہیں رہ سکے؟ اور یہ مدت بچپنے کا وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جس میں قائد کی شخصیت نہیں بن سکتی۔ تو پھر انکی شخصیت کی تکمیل کہاں ہوئی؟

جواب: حضرت مہدی عج اپنے والد کے بعد مسلمانوں کے امام ہوئے اور ان تمام شرائط کے ساتھ امام ہوئے جو امامت کیلئے ضروری ہیں۔ اسی نوعمری میں آپ روحی و فکری لحاظ سے امام ہوئے اور نوعمری میں منصب امامت پر فائز ہونا ایسا مظہر ہے کہ جس پر امام مہدی عج کے اجداد میں سے امام محمد بن علی الجواد آٹھ سال کی عمر میں اور علیؑ بن محمد الہادی ۹ سال کی عمر میں اور امام مہدی عج کے والد امام ابو محمد حسن عسکریؑ ۲۲ سال کی عمر میں فائز ہوئے ہیں لیکن نوعمری میں امامت کا مظہر امام مہدی عج اور امام جوادؑ کے زمانے میں اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ ہم امامت کو اس لئے مظہر کہتے ہیں کہ یہ حضرت مہدیؑ کے آبائے کرام میں سے بعض کی نسبت ظاہر و محسوس تھی، اس کے زیر سایہ مسلمان زندگی گذارتے تھے اور اپنے امام سے ہدایت حاصل کرتے تھے۔

ہم درج ذیل شقوں میں اس کی وضاحت کرتے ہیں:

ا۔ ائمہ اہل بیتؑ میں سے کسی بھی امام کی امامت موروثی، اور طاقت و رسوخ کا مرکز نہیں تھی جیسے فاطمیوں اور عباسیوں کی خلافت تھی ۔ ائمہ کو جو عام لوگوں کی حمایت حاصل تھی اس کا سبب ان کا دینی اثر و رسوخ اور ان کے پیرؤوں کا ایمان و عقیدہ تھا کہ اسلام کی امامت و قیادت کے وہی مستحق ہیں۔

ب : امامت کی طرف داری کی یہ بنیادیں صدر اسلام ہی میں وجود میں آگئی تھیں ، امام باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں انھیں وسعت و فروغ ملا۔ اور انھیں دو ائمہؑ کے قائم کردہ مکتب نے عالم اسلام میں ایک وسیع ذہنی تحریک کی صورت اختیار کر لی جس میں سیکڑوں فقیہ ، متکلمین ، مفسرین اور اس زمانہ میں رائج دیگر اسلامی و انسانی علوم کے ماہر شامل تھے ۔ حسن بن علی وشاء نے یہاں تک کہا ہے کہ "جب میں مسجدِ کوفہ میں داخل ہوا تو میں نے ایسے نو سو علماء کو دیکھا جو سب یہی کہہ رہے تھے مجھ سے جعفرؑ بن محمدؑ نے یہ بیان کیا ہے۔"[۱۱]

ج : اس مکتب اور اسلامی معاشرہ میں اس کے ماننے والے امام کی تعیین کے بارے میں جو شرائط رکھتے ہیں وہ بہت سخت ہیں ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امام وہی ہو سکتا ہے جو اپنے زمانہ کے علماء کے درمیان سب سے بڑا عالم ہوگا ۔[۱۲]

د : اس مکتب اور اس کے ماننے والوں کو امامت سے متعلق اپنے عقیدہ کو محکم کرنے کیلئے بہت سی قربانیاں دینی پڑی ہیں کیونکہ ہم عصر حکومتیں اسے کم از کم فکری لحاظ سے اپنا مدمقابل خیال کرتی تھیں چنانچہ اس وقت کی حکومتوں نے انھیں کچلنے کی کوشش کی ان پر ظلم کیا ، بہت سے افراد کو سخت سزائیں دیں بہت سے مار دیے گئے

بہت سے لوگوں کو قیدخانوں میں ڈال دیا گیا جن میں سیکڑوں قیدخانوں کی تاریکیوں میں دم توڑ گئے۔ ان لوگوں کو ائمہ اہل بیتؑ کی امامت کا عقیدہ رکھنے کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی، ان کیلئے اس مکتب میں صرف ایک کشش تھی، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس کے ذریعہ انھیں خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔

ھ: جن ائمہ کی امامت کا یہ لوگ عقیدہ رکھتے تھے وہ ان سے الگ نہیں رہتے تھے اور نہ ہی بادشاہوں کی مانند اپنی قوم کو چھوڑ کر اونچے محلوں میں زندگی بسر کرتے تھے وہ ان سے اس وقت پوشیدہ ہوتے تھے جب بادشاہ وقت انھیں قید یا جلاوطن کر دیتا تھا، اور یہ بات ہمیں ان عظیم راویوں اور محدثین کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے، جنھوں نے گیارہ ائمہ میں سے ہر ایک سے روایت کی ہے۔ یہ چیز ہمیں امام اور ان کے ہمعصر لوگوں کے درمیان ہونے والی خط و کتابت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ امام خود مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے اور اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ میں نمائندے بھیجتے تھے، دوسری طرف شیعوں کی بھی یہ عادت ہو گئی تھی کہ وہ اپنے ائمہ کی دلجوئی کرتے تھے اور جب وہ دنیا کے گوشہ وکنار سے فریضہ حج کی ادائیگی اور مقدس مقامات کی زیارت کیلئے آتے تھے تو مدینہ منورہ میں اپنے امام سے ملاقات کرتے تھے، اس طرح امام اور دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے شیعوں کے درمیان مسلسل رابطہ رہتا تھا۔

د: ہمعصر خلفاء ائمہؑ اور ان کی روحانی امامت و قیادت کو اپنے اور اپنی حکومت کیلئے بڑا خطرہ سمجھتے تھے، اسی لئے وہ اس قیادت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اس سلسلہ میں مذموم ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے، کبھی سرکشی اور

سنگدلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ خصوصاً جب اپنی حکومت کو خطرہ میں دیکھتے تھے،[۱۳] ائمہ کے ساتھ ان کا جو جابرانہ سلوک ہوتا تھا اس سے خود ائمہؑ اور ان کے چاہنے والوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔

جب ہم ان چھ نکات پر — جو تاریخی حقائق ہیں — غور کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بعض ائمہؑ کا نو عمری میں منصب امامت پر فائز ہونا ایک حقیقت ہے کوئی افسانہ نہیں ہے۔ کیونکہ جو شخص نو عمری میں امام کی حیثیت سے میدان میں آتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا روحانی اور سیاسی راہنما ہے اور اسے کچھ لوگ اپنا دینی قائد تسلیم کر لیں تو اسے علم و معرفت کے لحاظ سے سب سے بڑا ہونا چاہیئے اور فقہ و تفسیر اور عقائد پر مسلط ہونا چاہیئے، کیونکہ اگر ان چیزوں پر تسلط نہیں ہوگا تو لوگ اس کی امامت کو قبول نہیں کریں گے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ائمہ کا اپنے چاہنے والوں سے مسلسل رابطہ رہتا تھا اور وہ ان کی زندگی اور شخصیتوں کو پرکھ سکتے تھے۔

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک بچے نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور سب کے سامنے خود کو اسلام کی نشانی قرار دیا اور لوگوں نے بغیر کسی تحقیق کے اسے امام تسلیم کر لیا اور اس سلسلہ میں جان کی بازیاں بھی لگا دیں۔ فرض کیجئے کہ لوگوں نے اس وقت اسکی تحقیق نہیں کی لیکن اس نو عمر امام سے لوگوں کے مسلسل رابطہ کے نتیجہ میں اسکی حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی اور پھر یہ بھی معقول نہیں ہے کہ وہ علمی و فکری لحاظ سے بچہ ہو لیکن اس مسلسل رابطہ میں کبھی اس کا اظہار نہ کرے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ امامت اہل بیتؑ کے ماننے والے حقیقت کا انکشاف کرنے

میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے تو اس زمانہ کے خلفاء کیسے خاموش رہے اور انہوں نے حقیقت کے انکشاف کیلئے کیوں کوشش نہ کی؟ یہ بات حکومت کیلئے بہت آسان تھی، اگر نو عمر امام اپنی فکر و ثقافت — عقائد و تہذیب — کے لحاظ سے بچہ ہوتا اور بچوں ہی جیسی حرکتیں کرتا تو حکومت کیلئے یہ کامیاب ترین حربہ تھا کہ وہ شیعوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے اسکی حقیقت کھول دیں اور یہ ثابت کر دیں کہ اس بچہ میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ اس میں روحانی قیادت کی لیاقت ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایک چالیس یا پچاس سال کے شخص کو امامت کیلئے نااہل قرار دینا مشکل ہو لیکن ایک عام بچہ کو — خواہ وہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو — نااہل ثابت کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت وقت نے ظلم و جبر کی جو پیچیدہ راہ اختیار کی تھی یہ اس سے کہیں آسان طریقہ تھا۔

حکومت کی اس سلسلے میں خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جانتی تھی کہ اس بچہ کی امامت کوئی افسانہ نہیں ہے بلکہ واضح حقیقت ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حکومت وقت نے یہ راہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی، تاریخ ہمیں ایسی کوششوں اور ان کے ناکام ہونے کی خبر دیتی ہے جبکہ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ نو عمر امام کسی موقع پر تذبذب میں پڑا ہو یا اس نے ایسی پریشانی کا اظہار کیا ہو جسکی وجہ سے اس کی نو عمری کی امامت کے بارے میں لوگوں کا ایمان متزلزل ہو گیا ہو۔

ہمارے مذکورہ قول کے معنی یہی ہیں کہ نو عمری کی امامت اہل بیتؑ کی حیات میں واقع ہوئی ہے یہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اور اسی سے

ملتے جلتے حالات اس آسمانی سرمایہ میں نظر آتے ہیں جو کہ خدائی رسالت اور قیادت پر محیط ہیں۔
الٰہی رسالتوں میں اہل بیتؑ کی نو عمری کی امامت کیلئے حضرت یحییٰؑ کی ایک مثال کافی ہے۔
خدائے متعال نے فرمایا:

"اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے انھیں حکومت عطا کی جب وہ بچے تھے۔" (سورۂ مریم/ ۱۲)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ بچپنے کی امامت ایک حقیقت ہے جو حیاتِ اہل بیتؑ میں تھی تو پھر حضرت مہدیؑ پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بچپنے میں اپنے والد کے خلیفہ کیسے بن گئے۔

پانچویں بحث

ہم کیسے تسلیم کریں کہ حضرت مہدیؑ موجود ہیں؟

اب ہمارے سامنے چوتھا سوال آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ : فرض کیجئے کہ امام منتظر کا فرضیہ اس کے تمام مفہوموں، یعنی طول عمر، بچپنے کی امامت اور غیبت کے ساتھ قبول کیا جائے۔ لیکن صرف اتنا ہی اس کے ممکن ہونے کے لئے کافی اور اطمینان بخش نہیں ہے۔

ہم اس بات کو کیونکر تسلیم کرلیں کہ حضرت مہدیؑ اس وقت موجود ہیں؟ کیا رسول اکرمؐ کی وہ بعض روایات جو کتابوں میں نقل ہوئی ہیں، ہمارے لئے بارہویں امام کے وجود کے اعتراف کے لئے کافی ہیں؟ اور اس موضوع کے عجیب و غیر معمولی ہونے کے ساتھ ہم اس بات کو کیسے ثابت کرسکتے ہیں کہ حضرت مہدیؑ کا وجود ایک تاریخی حقیقت ہے کوئی ایسی چیز نہیں جو نفسیاتی وجود کی بنیاد پر اکثر لوگوں کے دماغ میں آگئی ہو۔

جواب : دنیا کی اصلاح کرنے والے مہدیؑ کا ذکر عام طور پر رسول اکرمؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کی احادیث میں بالخصوص ہوا ہے اور بعض روایات میں اس کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس موضوع سے متعلق برادران اہل سنت کی کتابوں میں چار سو[1] اور شیعہ و سنی طریقوں سے نقل ہونے والی روایات کی تعداد چھ ہزار ہے[2]۔ یہ تعداد اتنی بڑی ہے کہ جس کی مثال اسلام کے ان واضح و بدیہی مسائل میں بھی نہیں ملتی جن کے متعلق عام طور پر مسلمانوں کو کوئی شک نہیں ہے۔

---

(۱) مہدی تالیف آیت اللہ سید صدر الدین صدر، حاشیہ ص۴ (۲) منتخب الاثر فی الامام الثانی عشرؑ تالیف لطف اللہ صافی

اس تصوّر کا بارہویں امام میں مجسم ہونے کے اعتقاد کا کافی جواز ہے اور اس جواز کا دو دلیلوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سے ایک اسلامی اور دوسری علمی ہے۔ اسلامی دلیل سے ہم امام منتظرؑ کے موجود کو ثابت کریں گے اور سائنسی دلیل سے یہ ثابت کریں گے کہ حضرت مہدیؑ محض افسانہ نہیں ہیں بلکہ ایسی حقیقت ہیں جس کا ثبوت تاریخی تجربہ سے ملتا ہے۔

اسلامی دلیل

رسول اللہؐ اور ائمہ اہل بیتؑ سے ایسی سیکڑوں احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے حضرت مہدیؑ کی تعیین ہوتی ہے۔ نیز ان احادیث کی دلالت اس بات پر ہے کہ حضرت مہدیؑ اہل بیت میں سے ہوں گے۔[14]

اولادِ فاطمہؑ میں سے ہوں گے۔[15]

حضرت امام حسینؑ کی ذریت میں سے ہوں گے۔[16]

وہ امام حسینؑ کی نویں پشت میں ہیں۔[17]

بارہ[12] اماموں میں سے ایک ہیں۔ یہ روایات اس عام تصور کو ائمہ اہل بیتؑ کے بارہویں امام میں محدود کر دیتی ہیں۔ ایسی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے اگرچہ حضرات ائمہ حضرت مہدیؑ کی حفاظت کے پیش نظر ایسی احادیث عام مجمع میں بیان نہیں کرتے تھے اور احتیاط سے کام لیتے تھے اس کے باوجود ان احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ان احادیث کی کثیر تعداد، انکی مقبولیت کی دلیل ہی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ ان کے صحیح ہونے کی دلیل بھی ہے۔ رسول ؐ سے ایک حدیث، جوکہ مختلف طریقوں سے نقل کی گئی ہے، اس میں آیا ہے کہ: امام یا خلیفہ یا امیر بارہ ہوں گے۔ بعض مؤلفوں نے ان احادیث کو شمار کیا ہے، انکی تعداد ۲۷۰ سے زائد ہے اور یہ حدیثیں شیعہ واہل سنت کی مشہور کتابوں، مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد اور مستدرک حاکم سے ماخوذ ہیں۔ واضح رہے کہ اس حدیث کو نقل کرنیوالے بخاری ہیں جو امام محمد تقی ؑ، امام علی نقی ؑ، اور امام حسن عسکری ؑ کے ہمعصر تھے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس حدیث کو رسول ؐ سے اس وقت نقل کیا گیا جبکہ خارج میں اس کا مصداق نہیں تھا اور ائمہ کی تعداد مکمل نہیں ہوئی تھی۔ لہذا یہ شک نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حدیث شیعہ ائمہ کی واقعی تعداد کے مطابق نقل کر دی گئی ہے تاکہ ان کے ائمہ اثنا عشر کے عقیدے کی تقویت ہوجائے، کیونکہ رسول ؐ کی طرف منسوب کی گئی کچھ جعلی حدیثوں میں ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جو پہلے رونما ہوئے اور حدیث بعد میں نقل کی گئی۔ ظاہر ہے کہ واقعات سے پہلے ایسی حدیثوں کا وجود نہیں تھا اور نہ ہی انھیں اس سے قبل احادیث کی کتابوں میں درج کیا گیا تھا۔ جب تک ہمارے پاس یہ دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث، ائمہ اثنا عشر کی واقعی تعداد مکمل ہونے سے پہلے ہی کتابوں میں نقل کی گئی ہے تو ہم یہ اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث کسی طے شدہ منصوبہ کے تحت جعل نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ ایک الٰہی حقیقت ہے اور اس نے بیان کی ہے جو اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا ہے۔ ارشاد ہے: "خلیفہ بارہ ہوں گے" آپ کی یہ پیشین گوئی[۱۸]

اس وقت پوری ہوئی جب یہ تعداد امام علیؑ سے شروع ہو کر امام مہدیؑ تک بارہ[۱۲] ہوگئی اس طرح حدیث نبوی کا ایک مصداق معقول ہوگیا۔

علمی دلیل

یہ دلیل لوگوں کے اس بڑے گروہ کو اس تجربہ سے ملی جو انہوں نے ستر سال کی مدت میں حاصل کی ہے۔ اسی مدت کو غیبت صغریٰ کہا جاتا ہے اس کی وضاحت کیلئے ہم اجمالی طور سے غیبت صغریٰ پر روشنی ڈالیں گے۔

غیبت صغریٰ: غیبت صغریٰ امام منتظرؑ کی امامت کا پہلا دور ہے۔ اس امام کو امامت سپرد کرنے سے پہلے ہی یہ مقدر ہوگیا تھا کہ وہ منظر عام پر ظاہر نہیں ہوں گے، جسمانی طور پر لوگوں سے دور اور قلب و عقل کے لحاظ سے ان کے قریب رہیں گے۔ اگر یہ غیبت اچانک ہوتی تو آپ کے چاہنے والوں کو بہت صدمہ ہوتا۔ کیونکہ شیعہ ہر زمانہ میں امام سے رابطہ قائم کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور مختلف قسم کی مشکلوں کو حل کرنے کے سلسلہ میں ان سے رجوع کرتے تھے پھر اگر امام اچانک اپنے شیعوں سے غائب ہوجاتے اور انھیں یہ محسوس ہوتا کہ روحانی و فکری قائد سے ان کا رابطہ منقطع ہوگیا ہے، تو اس غیبت سے بہت بڑا خلاء پیدا ہوجاتا ممکن تھا کہ اسلام کے وجود ہی کیلئے خطرہ پیدا ہوجاتا اور تفرقہ پھیل جاتا۔ لہٰذا اس غیبت کے لئے تمہید ضروری تھی، تاکہ آپ کے شیعہ رفتہ رفتہ غیبت سے مانوس ہوجائیں اور وہ تمہید یہی غیبت صغریٰ تھی، جس میں امام مہدیؑ

منظر عام سے پوشیدہ رہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ نے اپنے نائبوں، وکیلوں اور ان معتبر لوگوں کے ذریعہ اپنے شیعوں سے مستقل طور پر رابطہ قائم رکھا جو آپ کے اور مومنین کے درمیان ہمزۂ وصل اور نقطۂ اتصال بنے ہوئے تھے۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں نیابت کے فرائض وہ چار اشخاص انجام دے رہے تھے جن کی پرہیزگاری اور پاکبازی شیعوں کے نزدیک مسلّم تھی۔ وہ چار نائب یہ ہیں:

۱۔ عثمان بن سعید العمری

۲۔ محمد بن عثمان بن سعید العمری

۳۔ ابو القاسم الحسین بن روح

۴۔ ابو الحسن علی بن محمد السمری

یہ چار اشخاص بالترتیب نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا تو آپ اسکی جگہ دوسرے کو معین کر دیتے تھے۔

نائب امام شیعوں سے رابطہ قائم رکھتا تھا، ان کے سوالات امام کی خدمت میں پہنچاتا اور آپ کے سامنے ان کے مشکلات بیان کرتا تھا چنانچہ کبھی ان کے جواب زبانی اور اکثر تحریری صورت میں شیعوں تک پہنچاتا تھا۔

اور چاروں نائبوں کے زمانہ میں — جو کہ کم و بیش ستر سال پر محیط تھا — امام مہدیؑ کی طرف سے جو خط موصول ہوئے ہیں ان کا انداز تحریر یکساں تھا اور تحریر ایک جیسی تھی۔ آخری نائب سمری تھے، انہوں نے غیبت صغریٰ کے خاتمہ کا اعلان کیا۔ جو کہ نائبوں کے تقرر کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اب غیبت کبریٰ شروع ہوئی

اس زمانہ میں ایسے معین اشخاص نہیں ہیں جو امام اور شیعوں کے درمیان واسط قرار پائیں۔ جب غیبت صغریٰ کا مقصد پورا ہو گیا تو وہ غیبت کبریٰ میں تبدیل ہو گئی۔ کیونکہ غیبت صغریٰ کے ذریعہ شیعہ امام سے دوری کے صدموں اور غیبت امامؑ کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلاء سے محفوظ ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ امام کی نیابتِ عامہ والے تصور کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، اس طرح خاص نائبوں کے بجائے عام نائب یعنی جامع الشرائط مجتہد نائب مقرر ہوئے جن کے ہاتھ دین و دنیا کے امور ہوتے ہیں۔ اس طرح غیبت صغریٰ، غیبت کبریٰ میں تبدیل ہو گئی۔

اب آپ مذکورہ بیان کی روشنی میں اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام مہدیؑ ایک زندہ حقیقت ہیں جن کا لوگوں نے تجربہ کیا، ستر سال تک ان کی طرف سے سفیر اور نائب مقرر ہوئے اور اس مدت میں کسی کو بھی ان کے کلام میں تضاد یا امور میں حیلہ گری یا نقل میں کوئی فریب نظر نہیں آیا۔ سچ بتائیے کیا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ چار اشخاص یکے بعد دیگرے لوگوں کو ستر سال تک فریب دیتے رہیں اور جھوٹ کی بنیاد پر یہ کاروبار چلاتے رہیں اور اس سلسلہ میں کسی کو شک تک نہ ہوا؟ جبکہ ان چار اشخاص کے درمیان کوئی خاص رابطہ بھی نہیں تھا اور یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سازباز تھی، جب تک وہ اس سلسلہ سے متصف رہے ان کا کردار بے داغ رہا سبھی انکی بات پر یقین رکھتے تھے۔

ایک مثل ہے کہ "جھوٹ کی پوٹ کھل جاتی ہے" اور عملی زندگی بھی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اتنی طویل مدت تک مکر و فریب اور شعبدہ بازی نہیں چل سکتی

تھی۔ کیا ان تمام باتوں کے باوجود ایک شخص سب کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ غیبت صغریٰ اپنی حقیقت کے اثبات کے لحاظ سے ایک عملی تجربہ کے مترادف ہے۔ جس میں آپ کی ولادت، حیات، غیبت صغریٰ اور غیبت کبریٰ کا اعلان بھی شامل ہے، جس کے مطابق آپؑ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور کسی سے اپنا تعارف نہیں کراتے۔

چھٹی بحث

پھر امام مہدیؑ ظاہر کیوں نہیں ہوتے؟

جب امام مہدیؑ نے خود کو سماجی اصلاح کیلئے تیار کر لیا تھا تو پھر عرصۂ دراز سے ظاہر کیوں نہیں ہوئے ؟ غیبت صغریٰ یا اس کے بعد آپؑ کے ظاہر ہونے میں کیا چیز مانع تھی اور اس غیبت کو آپ نے غیبت کبریٰ میں کیوں تبدیل کیا ؟ وہ زمانہ انقلاب اور سماجی امور کی انجام دہی کیلئے زیادہ موزوں تھا۔ کیونکہ غیبت صغریٰ کے دوران نافذ نظام کے تحت لوگوں سے آپ کا رابطہ قائم تھا، آپ ان کو جمع کر سکتے تھے اور آرام کے ساتھ اپنا کام شروع کر سکتے تھے۔ اور پھر اس زمانہ میں آپ کے آس پاس کی حکومتیں بھی اتنی طاقتور نہیں تھیں جتنی وہ بعد میں سائنسی اور صنعتی ترقی کے ذریعہ ہو گئیں۔

جواب : ہر ایک انقلاب کی کامیابی کا تعلق حالات و شرائط سے ہوتا ہے انقلاب اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب حالات سازگار اور شرائط فراہم ہوتے ہیں۔

کیونکہ یہاں جس پیغام پر انقلاب کا دارومدار ہے وہ الٰہی و آسمانی ہے، حالات و ماحول کی دین نہیں ہے۔ ہاں اس کے نافذ ہونے کا تعلق حالات و ماحول سے ہے اور اس کی کامیابی بھی حالات ہی پر موقوف ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اسلام آنے سے پہلے جاہلیت کی پانچ صدیاں گذریں اور اس کے بعد اللہ کا پیغام حضرت محمدؐ پر نازل ہوا کیونکہ اس پیغام کے اثرانداز ہونے اور اس کے نفوذ کے لئے حالات سازگار نہیں تھے

اس لئے پیغام آنے میں تاخیر ہوئی اگرچہ دنیا کو عرصۂ دراز سے اس پیغام کی ضرورت تھی۔

ایک انقلاب کے کامیاب ہونے میں جو حالات اثر انداز ہوتے ہیں ان میں سے بعض سازگار ماحول بناتے ہیں اور بعض انقلاب کے آغاز کیلئے صحیح وقت کی تعیین کرتے ہیں جیسے روس میں لینن نے جس انقلاب کی کامیاب قیادت کی وہ پہلی جنگ عظیم، زار روس کی شہنشاہیت کا زوال اور ایسے ہی بہت سے عوامل سے مربوط تھا۔ ایسے ہی کچھ اور اسباب بھی تھے جیسے لینن کا وہ سفر جس کے نتیجہ میں وہ بحفاظت روس میں داخل ہوگیا اور انقلاب کی قیادت کی۔ اگر سفر کے دوران کوئی حادثہ پیش آجاتا جس کی وجہ سے وہ روس میں داخل نہ ہوسکتا تو اس بات کا امکان تھا کہ اس سے انقلاب کی وہ طاقت ختم ہوجاتی جس سے وہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

اور یہ خدا کی ناقابل تغیر سنّت ہے کہ انقلاب کے لئے مناسب حالات اور ہموار ماحول درکار ہوتا ہے اسی لئے تو اسلام کئی انبیاءؑ کا دور گذر جانے اور نبی کے وجود سے خالی صدیاں بیت جانے کے بعد آیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا معجزہ کے طور پر ان تمام رکاوٹوں کو پہلے ہی دور کرسکتا تھا جو کہ خدائی پیغام کی راہ میں حائل ہوسکتی تھیں۔ لیکن خدا نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کیونکہ جن امتحانوں، آزمائشوں اور تکلیف دہ حالات سے گذر کر انسان کمال تک پہنچتا ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ خدائی انقلاب فطرت اور حالات کے مطابق آئے لیکن اس سنت الہی سے وہ مواقع مستثنی ہیں جب خدائی انقلاب کے لئے حالات سازگار نہیں ہوتے بلکہ اس وقت قدرت خدا معجزہ کے ذریعہ

انقلاب کردیتی ہے۔ اور انہیں مستثنیٰ موقعوں میں وہ مدد اور تائیدات بھی ہیں جو خدا نے اپنے اولیائے کرام کو عطا کی تھیں مثلاً آتش نمرود کا ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈا ہو جانا[١٩] اور اس غدار یہودی کے ہاتھ کا شل ہو جانا جس نے رسولؐ پر تلوار کھینچ لی تھی[٢٠]۔ اسی طرح جنگ خندق کے زمانہ میں مدینہ کا محاصرہ کرنے والے کفار و مشرکین کے خیموں کا شدید طوفان کی زد میں آجانا جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان واقعات میں ایسے وقت پر خدائی امداد آئی جب حالات بہت زیادہ نازک ہو چکے تھے لیکن ایسا اس وقت ہوا جب انقلاب کیلئے ماحول قدرتی طور پر ساز گار ہو چکا تھا۔

چنانچہ جب ہم ان واقعات کی روشنی میں امام مہدیؑ کی عظمت و حیثیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انقلابی تحریک سے متعلق جو ذمہ داری آپؑ کے سپرد کی گئی ہے وہ سماجی انقلاب کے تمام امور کی طرح بعض ایسے حالات سے بھی جڑی ہوئی ہے کہ وہی اس کی کامیابی کیلئے مناسب ماحول پیدا کریں گے اور فطری بات ہے کہ ماحول ہی کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔ واضح ہے کہ حضرت مہدیؑ نے خود کو کسی محدود سماجی انقلاب کیلئے تیار نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس دنیا کے کسی محدود گوشہ کے انقلاب کی خاطر آمادہ کیا ہے کیونکہ جس پیغام کی خاطر آپ کو خدا کی طرف سے ذخیرہ کیا گیا ہے وہ پوری دنیا میں انقلاب لانے والا ہے اور بشریت کو ظلم کی تاریکی سے نکال کر عدل کی روشنی میں لانا ہے ایسے عظیم انقلاب کے لئے صرف پیغام رسانی اور صالح قائد کا ہونا ہی کافی نہیں ہے ورنہ یہ حالات زمانۂ رسولؐ میں فراہم ہو چکے تھے بلکہ اس کیلئے ایسے ماحول کی ضرورت ہے جو عالمی انقلاب کیلئے

خارجی حالات فراہم کر سکے ۔

بشری نقطۂ نظر سے انسان کا شعور ایسی تہذیب و تمدن کو ضروری سمجھتا ہے کہ جو ایسے ماحول و حالات کو پیدا کرنے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہو تاکہ عدل کے نئے پیغام کو قبول کیا جا سکے ۔ یہ شعور متعدد تہذیبوں کی ناکامی کے تجربہ کے بعد پیدا ہوتا ہے اور جب انسان کو اس کا گم شدہ نہیں ملتا ہے تو وہ فطری طور پر غیبی مدد کی طرف لو لگاتا ہے یا کسی لامعلوم شئے یا شخص کا انتظار کرتا ہے ۔

مادی نقطۂ نظر سے امام مہدیؑ کے پیغام کو عالمی پیمانہ پر پہنچانے کیلئے آپؑ کے ظہور کا زمانہ غیبت کے زمانہ کے مقابلہ میں زیادہ مناسب ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اب منزلوں کے فاصلے کم ہو گئے ہیں اور روئے زمین پر بسنے والوں کے درمیان ارتباط کے وسائل فراہم ہو گئے ہیں اور نئے پیغام کی اساس پر دنیا بھر کے لوگوں کو روشن فکر بنانے کیلئے ایک مرکزی کمیٹی کے قیام کے بہترین وسائل فراہم ہیں ۔

لیکن مذکورہ سوال میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ امام منتظرؑ کو جن فوجی طاقت اور جنگی آلات کا مقابلہ کرنا پڑے گا ان کی مقدار میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے، اور جس قدر ظہور میں تاخیر ہو گی اتنا ہی ان میں اضافہ ہو گا ۔ یہ بات صحیح ہے لیکن جب انسان کی روح مردہ ہو چکی ہو اور اس پر محرومی و ناامیدی کی گرد پڑ چکی ہو تو اس روز افزوں مادی طاقت سے کیا فائدہ ہو گا ؟ ہر چیز کا سرچشمہ روح ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ بڑی بڑی تہذیبیں حملہ آوروں کے حملوں کی تاب نہ لا کر فنا کے گھاٹ اتر گئی ہیں، کیونکہ وہ پہلے اندرونی اعتبار سے

کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ان کو نہ اپنے وجود پر اعتماد رہ گیا تھا اور نہ وہ اپنے نظام سے مطمئن تھیں۔

ساتویں بحث

کیا ایک آدمی اتنا بڑا کردار ادا کرسکتا ہے؟

اب ہم گذشتہ سوالات میں سے ایک اور سوال پر بحث کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک آدمی، خواہ وہ کتنا ہی عظیم ہو، اتنا عظیم کام انجام دے سکتا ہے اور یہ بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ عظیم شخص وہی ہوتا ہے جسے حالات، انقلاب کو وجود میں لانے کیلئے پہلی صف میں لے آتے ہیں۔

یہ سوال تاریخ کے اس معین نظریہ پر مبنی ہے جو تاریخ کی تفسیر اس بنیاد پر کرتا ہے کہ حالات کو بدلنے میں انسان کی حیثیت ثانوی ہے۔ حالات کو بدلنے کا اصلی محرک ماحول میں بکھری ہوئی طاقتیں ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے انسان کو ان قوتوں کو بروئے کار لانے کا بنیادی عامل قرار دیا جا سکتا ہے۔

اور ہم اپنی ایک مطبوعہ کتاب[۱] میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ تاریخ کے دو قطب ہیں، ایک انسان اور دوسرا اس کے گرد و نواح کی مادی طاقتیں اور جس طرح حالات اور مادی طاقتیں انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں اسی طرح وہ خود اپنے آس پاس کی مادی قوتوں کو متاثر کرتا ہے، یہ بات قبول نہیں کی جا سکتی کہ حرکت مادہ سے شروع ہوتی ہے اور انسان پر ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ مرور زمانہ میں انسان اور مادہ دونوں ہی ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ممکن ہے کہ

تاریخ کے دھارے میں انسان کسی طور سے بڑھ جائے (جو صرف رٹی رٹائی باتیں ہوتی ہے) خاص کر جب انسان اور خدا کے درمیان رابطہ کا کام انجام دیتا ہو کیونکہ اس صورت میں یہ رابطہ حرکت تاریخ پر عظیم طاقت کی مانند اثر انداز ہوتا ہے اور یہ بات انبیاء اور خاص طور سے خاتم النبیین ؐ کے حالات زندگی سے واضح ہوتی ہے۔ بیشک حضرت محمدؐ نے عنان تاریخ کو اس لئے اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ آپ کا تعلق آسمانی پیغام سے تھا اور آپؐ نے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد ڈالی جس کو گرد و نواح کے حالات کسی صورت میں بھی وجود میں نہیں لا سکتے تھے۔ ہم "الفتاوی الواضحۃ" کے دوسرے مقدمہ میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

اور جن چیزوں کو رسول اعظمؐ انجام دے سکتے ہیں اسے انؐ کے اہل بیتؑ میں سے وہ امام منتظرؑ بھی انجام دے سکتا ہے جس کی آپؐ نے بشارت دی ہے اور جس کے عظیم انقلابی کردار سے آگاہ کیا ہے۔

آٹھویں بحث

روز موعود کے تغیر کا کیا طریقہ ہوگا؟

اب ہم آخری سوال کا جائزہ لیتے ہیں یعنی عدل کی فتح اور ظلم کے نظام کو برباد کرنے کیلئے حضرت مہدیؑ کونسا طریقہ اختیار کریں گے؟

اس سوال کے جواب کا تعلق اس وقت اور مرحلہ کی معرفت سے ہے جس میں امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے اور یہ کہ اس وقت کے حالات کیا ہوں گے ان حالات کی روشنی میں ہی آپ کی حکمت عملی کی تصویر کشی کی جاسکتی ہے۔ جب تک ہمیں اس مرحلہ کا علم نہ ہوگا جس وقت امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے اس وقت کیسا ماحول ہوگا۔ اس وقت تک علمی انداز میں کوئی ایسی پیشین گوئی نہیں کر سکیں گے کہ روز موعود کیا ہوگا اگرچہ بہت سے مفروضے اور تصورات قائم کئے جاسکتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر ذہنی اختراع ہوں گے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ہاں ایک بنیادی فرضیہ بھی ہے جسے ان روایات — جو کہ ظہور کے بارے میں ہیں — اور تاریخ کے عظیم انقلاب کے تجربہ کی روشنی میں قبول کیا جاسکتا ہے اور وہ فرضیہ یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ ایک عظیم خلاء کے بعد ظہور فرمائیں گے اس درمیان پست تہذیبیں وجود میں آجائیں گی اور انسانی اقدار پامال ہوجائیں گے چنانچہ نئے پیغام کو پہنچانے کیلئے یہی خلاء راہ ہموار کرے گا اور اس گندی سیاست

و ذلیل حرکت کی وجہ سے ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا جو اس نئے پیغام کی قبولیت کا سبب بنے گا۔ اور یہ ذلت و پستی تاریخ انسانیت میں یک بیک وجود میں نہیں آئے گی بلکہ انسانیت کے خدا سے بیگانہ ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے تناقضات سے وجود میں آئے گی اور اس کا کوئی ٹھوس حل نہیں ہوگا نتیجہ میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جس سے کوئی چیز نہ بچ سکے گی۔ اس وقت ایک نور ظاہر گا جو آگ کو بجھائے گا اور زمین پر عدل قائم کرے گا۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ الطاہرین

محمد باقر الصدر۔ النجف الاشرف

۱۷ ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ

حواشی:

۱۔ احتجاج طبری۔ ج ۲ ص ۵۴۵

۲۔ شیخ مفید نے "ارشاد" ص ۳۴۶ اور شیخ شعرانی نے الیواقیت والجواہر ج ۲ مبحث ۶۵ میں امامؑ کی ولادت سنہ ۲۵۵ھ ثابت کی۔

۳۔ علامہ شہید کی یہ تحریر ۲۶ سال پہلے کی ہے۔

۴۔ سورہ اسراء/۱ کی طرف اشارہ ہے۔

۵ ؍ عنکبوت ؍۱۴ کی طرف اشارہ ہے۔

۶ ؍ الشعراء ؍ ۶۳ کی طرف اشارہ ہے۔

۷ ؍ النساء ؍ ۱۵۷ کی طرف اشارہ ہے۔

۸ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص۱۲۷

۹ سورہ کہف ؍ ۱۳ کی طرف اشارہ ہے نیز اس کی تفسیر زمخشری کی تفسیر کشاف ج ۲ ص۲۰۶ (دار الکتاب العربی بیروت) میں ملاحظہ ہو

۱۰ سورہ کہف ؍ ۱۴ کی طرف اشارہ ہے۔

۱۱ مجالس المومنین از الامین عاملی، ج ۵ ص۲۰۹ وصحاح الاخبار از محمد سراج الدین رفاعی ص۴۰۴

۱۲ صواعق المحرقہ از ابن حجر ص۱۲۲

۱۳ الفصول المہمۃ، ابن صباغ مالکی، مقاتل الطالبین، ابو الفرج اصفہانی، ارشاد شیخ مفید

۱۴ صحیح سنن المصطفیٰ ج ۲ ص۲۰۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲: ۱۳۶۷ / ۴۰۸۵

۱۵ سنن ابی داؤد، ج ۲ ص۲۰۸

۱۶ سیرۃ الحلبیہ، ج ۱ ص۱۹۳

۱۷ ینابیع المودۃ از سلیمان قندوزی ص۴۹۲

۱۸ سورۂ نجم آیت ۳ و ۴ کی طرف اشارہ ہے

۱۹ سورۂ انبیاء ؍ آیت ۶۸ — ۷۰ کی طرف اشارہ ہے

۲۰ تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۲۳

۲۱ اقتصادنا، ج ا ص ۱۹

۲۲ التاج الجامع للاصول ج ۵ ص ۳۴۳ میں ابو سعید خدری کی روایت

